(قسط ۳)

قرونِ وسطیٰ کے ہندوستان کی تمدنی جھلکیاں

جناب شبیر احمد خاں صاحب غوری ایم۔اے، ال، بی
سابق رجسٹرار امتحانات عربی و فارسی اتر پردیش۔

(۱) عہد اکبری کا عظیم عبقری۔ امیر فتح اللہ شیرازی | جس فاضل عہد نے اکبر کی تعلیمی پالیسی پر سب سے زیادہ اثر ڈالا وہ امیر فتح اللہ شیرازی تھے جو اپنے زمانہ کے عظیم عبقری[۱] علی عادل شاہ بیجاپوری کی

---

[۱] سیادت پناہ میر فتح اللہ شیرازی کہ در وادیٔ الٰہیات و طبعیات و سائر اقسام علوم عقلی و نقلی و طلسمات و نیرنجات و جر اثقال نظیر خود نداشت ۔" (منتخب التواریخ، مطبوعہ نولکشور صفحہ ۲۴۳)

بدایونی نے دوسری جگہ لکھا ہے:۔

میر فتح اللہ شیرازی کہ اعلم العلما ئے زمان است۔ مونس مقتدائے حکام و اکابر فارس بود، جمیع علوم عقلی از حکمت و ہندسہ و نجوم و رمل و حساب و طلسمات و نیرنجات و جر اثقال نیکوئی دانست و دریں فن آں قدر حالت داشت کہ اگر پادشاہ متوجہ می شدند رصد می تواں بست۔ و در علوم عربیت و حدیث و تفسیر و کلام نسبت او مساوی است ۔" منتخب التواریخ جلد سوم صفحہ ۱۵۴)

اسی طرح نظام الدین نے لکھا ہے:۔

" میر فتح اللہ شیرازی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ دانشمند متبحر بود و در فنون علم عقلی و نقلی از علمائے خراسان و عراق و ہندوستان، امتیاز تمام داشت۔ و در زمان خود در کل عرصہ عالم مثل و قرین خود نداشت" طبقات اکبری صفحہ ۳۰۵)، ابو الفضل اسے "تذکرہ حکمائے پیشیں" "دانائے روزگار" یادگار پیشیں دانشوراں" "علامۃ الزمانی" وغیرہ القاب سے یاد کرتا ہے۔ نیز لکھتا ہے:۔

" در حکمت نظری و عملی طراز یکتائی داشت ۔" (اکبر نامہ جلد سوم صفحہ ۱۰۴)

اکبر کو اس کے مرنے کا بیحد صدمہ ہوا تھا اور وہ بار بار کہتا تھا:۔

" میر وکیل و حکیم و طبیب و منجم ما بود۔ اندازہ سوگواری ما کہ تواند شناخت۔ اگر بدست فرنگ افتادے و ہمگی خزائن عوض خواستے، بارزو آں سود مند سودا فراواں سود کردے واں گوہر را ازبہاں اندوختے ۔" فیضی نے اس کے مرنے پر جو دلدوز مرثیہ لکھا تھا، اس میں کہتا ہے:۔

در رتبت پیرِ خرد دہ بین او | بنمود نور مشعل عقل کل دخاں

(باقی حاشیہ صفحہ آئندہ پر)

مزارا سے دکن آئے[۱] امیر فتح اللہ شیرازی میر غیاث الدین منصور (و) ایران کے اندر علوم عقلیہ کے بڑے ماہر سمجھے جاتے تھے[۲] پر انہیں اکبر نے بلا لیا اور صدرِ مملکت مقرر کیا[۳] وہ علوم طبیعیات

سلہ 1029ھ (وفات) الہی او عقل مستفید ... در وقت ریاضی او غیب مستہان
تو ... در حقائق اشیاء رسا تکون ... منیدرہ وجود دقائق بدون گمان

ایک دوسرے مرثیہ میں کہتا ہے:-

گرامی امہات فضل را فرزند روحانی ... ابوالآثار یعنی شاہ فتح اللہ شیرازی
دو صد بو الغفر رفت و بو علی تا او پدید آمد ... بسے دارد تقاضا دستہ مکاں زیں گونہ برازی
گہے با محمل مشائیاں گردے بریں کردے ... گہے با موکب اشراقیاں کردے فلک تازی

لہ "عادل شاہ بیجاپوری ہزاراں خواہش او را از شیراز بدکن طلبید و وکیل مطلق خود ساخت"
(مآثر الکرام صفحہ ۲۳۷)

ٹہ میر غیاث الدین منصور کے حلقۂ درس میں جانے سے پہلے وہ خواجہ جمال الدین محمود، مولانا کمال الدین شروانی، مولانا احمد کرد وغیرہم کے شاگرد رہ چکے تھے۔ چنانچہ ابوالفضل نے لکھا ہے:-

"در دانش گاہ خواجہ جمال الدین محمود و مولانا کمال الدین شروانی و مولانا احمد کرد فراواں شناسائی اندوخت۔" (اکبر نامہ جلد سوم صفحہ ۱۵۴)

لیکن اکبر کو اس کے خوشامدی چاپلوسوں نے یہ بتایا تھا کہ وہ میر غیاث الدین منصور کے شاگرد تھے جو علمی تبحر کے ساتھ آزاد خیال بھی تھے۔ اسی لیے اُسے امید تھی کہ وہ دین الہی کی تائید کریں گے۔ چنانچہ بدایونی نے لکھا ہے:-

"تر چوں شنیدہ بودند کہ او شاگرد بیواسطہ میر غیاث الدین منصور شیرازی است کہ بنماز و عبادات دیگر چندانے مقید نبود، گمان داشتند کہ مگر در سخنان مذہب و دین با ایشاں مماساۃ خواہد کرد۔"
(منتخب التواریخ مطبوعہ نولکشور صفحہ ۳۲۲)

لیکن اکبر کی یہ امید پوری نہ ہو سکی کیونکہ امیر فتح اللہ اپنے مذہب میں بڑے متصلب تھے۔

تہ عادل خاں بیجاپوری بہزاراں خواہش از شیراز بدکن آورد۔ و پس از سپری شدن معز کا را بحکم دیرین آرزو و فرمان طلب بصوب قدسی آستان کام سعادت برگرفت۔ باقی حاشیہ صفحہ آئندہ پر
(اکبر نامہ جلد ۳ صفحہ ۱۴۴)

کی جملہ شاخوں میں اس درجہ کمال رکھتے تھے کہ ابوالفضل کہا کرتا تھا: اگر قدمار کی کتابیں ضائع بھی ہوجائیں تو امیر فتح اللہ انہیں دوبارہ اپنے حافظہ اور ذہانت سے پیدا کرسکتے ہیں۔[1]

امیر فتح اللہ شیرازی کو بہت سی ایجادات کا شرف پہونچتا ہے انہوں نے ایک پن چکی بنائی تھی جو گاڑی پر رکھی جاتی تھی اور گھوم کر آٹا پیستی تھی[2] ایک آئینہ بنایا تھا جس میں دور ہو یا نزدیک طرح طرح کی عجیب شکلیں نظر آتی تھیں[3] ایک ایسا پہیہ بنایا تھا جس سے بیک وقت بارہ بندوقیں چھٹتی تھیں[4]

امیر فتح اللہ نے جو بندوق بنائی تھی، وہ اس درجہ مضبوط تھی کہ لبالب بارود سے بھری ہوئی چلانے پر بھی نہیں پھٹتی تھی۔ ورنہ دوسری بندوقیں عموماً چوتھائی سے زیادہ نہیں بھری جاسکتی تھیں[5] جس لوہے سے وہ بنائی جاتی تھیں، اُسے چپٹا کرکے ترچھا موڑا جاتا تھا۔ اس طرح ہر چکر پر نہیں اور زیادہ لمبی ہوجاتی تھیں۔ اس کے بعد نہوں کو ایک کے اوپر ایک کرکے جوڑا جاتا تھا اور پھر آہستہ آہستہ آگ میں تپایا جاتا تھا[6]۔ بندوقیں اس طرح

(باقی حاشیہ صفحہ گذشتہ) اسی طرح بدایونی نے لکھا ہے:۔

"و در ربیع الاول سال نہصد و نود سیادت پناہ میر فتح اللہ شیرازی ... حسب فرمان طلب از پیش عادل خان دکھنی بفتحپور رسید ... و بمنصب صدارت کہ پایہ نولیس بیش نبود امتیاز یافت (منتخب التواریخ مطبوعہ نولکشور صفحہ ۳۴۴)

[1] "آں مایہ شناسائی دارد کہ اگر کہن نامہائے دانش بہ نیستی سرا در شوند! اساس نو برنہد و یدا ل رفتہا آرزو برد" (اکبر نامہ جلد سوم صفحہ ۴۰۱) [2] آسیائے ہوائی را برساخت کہ خود حرکت می کردد آرد می شد" (طبقات اکبری صفحہ ۳۸۹) [3] وآئینہ ساخت کہ از دور و نزدیک اشکال غریبہ مرئی گشت" (طبقات اکبری صفحہ ۳۸۹) [4] وبیک چرخ دوازدہ بندوق سر می شد" (طبقات اکبری صفحہ ۳۸۹)

[5] "چناں برسازند کہ بدار و لبالب ساختہ آتش وہند و از ہم نگسلد۔ بیشتر از چہار یک نیفروختے" آئین اکبری مطبوعہ نولکشور پریس جلد اول صفحہ ۸۳) [6] گیتی گذیں رہ تمے در میان آورد۔ آہن ساختہ را طومار آسا بر اریب در پیچند۔ چناں کہ در ہر پیچ درازتر گردد۔ (باقی حاشیہ صفحہ آئندہ پر)

بنائی جاتی تھیں کہ وہ بغیر فلیتہ کے گھوڑے کو ذرا سا دبانے سے سر ہو جاتیں[1] انہوں نے ایک توپ بھی بنائی تھی، جس کے اجزا ر سفر میں علیحدہ علیحدہ ہو سکتے تھے۔ مگر بوقت ضرورت انہیں پھر جوڑ کر مکمل کیا جا سکتا تھا[2] انہوں نے ایک اور توپ سترہ توپوں کو ملا کر اس طرح بنائی تھی کہ ایک فتیلہ سے بیک وقت انہیں سر کیا جا سکتا تھا۔[3]

امیر فتح اللہ جو صدر مملکت تھے اور بعد میں محکمہ مالگزاری کی تنظیم میں راجہ ٹوڈرمل کے شریک کار ہو گئے تھے،[4] ان مصروفیتوں کے باوجود نہ صرف اپنی سائنسی اور میکانکی ایجادات ہی کے لیے وقت نکالتے تھے، بلکہ اعلیٰ تعلیم کے طلبہ کو پڑھانے کے لیے بھی وقت نکال لیتے تھے[5]

(باقی حاشیہ صفحہ گذشتہ) و لب بلب ندارند۔ بل از یکدیگر بگزرانند و پایہ پایہ بآتش پختہ سازند" (آئین اکبری جلد اول صفحہ ۸۳)

[1] ونیز از کار آگہی کشور خدیو چناں بر ساختند کہ بے فتیلہ آتش باندک جنبش پایہ افروزش پذیرد و تیر کشادیا بد" (آئین اکبری جلد اول صفحہ ۸۳) [2] آئین توپ ... گوناگوں اختراع فرمودند .. دیگے برائے کار آورد و چند یورش ہا از ہم جدا کردہ بآسانی برند و ہنگام افروزش شایستہ پیوند یابد" (آئین اکبری جلد اول صفحہ ۸۲) [3] ونیز ہفدہ را چناں یکتائی داد کہ یک فتیلہ ہمہ را کشادہ دہد" (آئین اکبری جلد اول) [4] در منصب وزارت با راجہ ٹوڈرمل شریک ساختند۔ اما او دلیرانہ در کار ملکی و مالی درآمدہ دارو مداری نمود" (منتخب التواریخ مطبوعہ نولکشور صفحہ ۲۴۲)

اسی طرح ابوالفضل نے لکھا ہے:-

"ہمدریں روز امیر فتح اللہ شیرازی را با مین الملکی بلند پایہ گردانیدہ و فرمان شد کہ راجہ ٹوڈرمل مہمات مالی و ملکی بصواب دید میرہ و براہ کند و کہن معاملہ ہا کہ از زمان مظفر خاں تشخیص نیافتہ بود بانجام رسانند" (اکبر نامہ جلد سوم صفحہ ۴۰۵) [5] چنانچہ ان کے مشاہیر تلامذہ میں شیخ حسن موصلی تھے۔ بدایونی نے ان کے بارے میں لکھا ہے:-

"شیخ حسن علی موصلی شاگرد رشید شاہ فتح اللہ است" منتخب التواریخ جلد سوم صفحہ ۱۳۶)

دوسرے مشہور شاگرد ملا عبد السلام لاہوری تھے جو اپنے عہد کے افاضل میں سے تھے۔ آزاد بلگرامی لکھتے ہیں

"معدن عقلیات و نقلیات بود۔ و فنون ادب و فقہ و اصول را نیکو می دانست (باقی صفحہ آئندہ پر)

سات آٹھ سال کے چھوٹے بچوں کو سبق پڑھانا ان کا بڑا دلچسپ مشغلہ تھا، چنانچہ ابوالفضل کا لڑکا ان کا شاگرد تھا[1] ان مشاغل کے ساتھ انہوں نے شرح ملا جلال

(باقی حاشیہ صفحہ گذشتہ) علم از امیر فتح اللہ شیرازی وغیرہ فراگرفت و قریب شصت سال درس گفت و جمعے کثیر را بپایۂ فضیلت برساند" (مآثر الکرام صفحہ ۲۳۶)

ملا عبدالسلام لاہوری کی اہمیت اس بنا پر ہے کہ ہندوستان کے چار علمی سلسلوں میں — دو علمی سلسلوں یعنی فرنگی محل اور خیرآباد کا شجرۂ تلمذ اُن کے توسط سے محقق دوانی تک پہونچتا ہے۔ باقی دو سلسلوں یعنی دو بند اور علی گڑھ کا شجرۂ تلمذ امیر فتح اللہ شیرازی کے استاد بھائی میرزا جان شیرازی کے توسط سے محقق دوانی تک پہونچتا ہے۔

ہندوستانی الاصل شاگردوں کے علاوہ امیر فتح اللہ کے ایرانی تلامذہ میں امیر عنایت اللہ تھے جن کی سفارش پر وہ دکن تشریف لائے تھے۔ دوسرے مشہور شاگرد میر تقی الدین محمد (تقیائے نسابہ) تھے۔ ان کے پایۂ علمی کے بارے میں فیضی نے اپنے ایک خط میں اکبر کو لکھا تھا: —

" دیگر سرآمد دانشمندان عراق و فارس میر تقی الدین محمد است کہ مشہور با تقیائے نسابہ است و بدانشمندی او امروز در ولایت کسے نیست۔ از شاگردان میر فتح اللہ است۔ وقتے کہ میر فتح اللہ و مولانائے مرزا جان در شیراز کوس دانشمندی می زدند، او نیز یکے از مدرسان مشہور شیراز بود۔ بندہ مدتے است کہ صیت کمالات او می شنود۔ و از میر فتح اللہ مکرراً تعریف او شنیدہ۔ وکسے را کہ ایں چنیں شاگردے ماندہ باشد، دلیل کمال او بر عالمیاں ہمیں بس" (لطیفۂ فیاضی مخطوطہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی ورق ۲۶ ب)

تقی الدین نسابہ کی اہمیت اس بنا پر ہے کہ اگلی صدی میں ایران کے جو فضلاء ہندوستان میں آئے، اکثر ان کے شاگرد تھے۔

[1] بتعلیم اطفال اُمراء مقید بودہ و بہر روز بمنزل مقرباں رفتہ، نخست از ہمہ غلام حکیم ابوالفتح و وقتے پسر شیخ ابوالفضل و اُمراء زادہائے دیگر ہفت ہشت سالہ بلکہ (باقی حاشیہ صفحہ آئندہ پر)

(شرح تہذیب) کے تحشیہ و تکملہ اور تفسیر قرآن (حاشیہ بیضاوی) کے لیے بھی وقت نکال لیا تھا۔[1]

امیر فتح اللہ شیرازی الغ بیگ کی ہیئتی جداول (زیج) کے ترجمہ (تجدید) کی بھی نگرانی کرتے تھے[2] انہوں نے محقق دوانی، صدر الدین شیرازی اور مرزا جان کی کتب معقولات کو ہندوستان میں متعارف کرایا، جو یہاں کے مدارس کے نصاب میں اختیاری مضمون کی حیثیت سے داخل ہوگئیں۔ اس طرح ملک میں اعلیٰ تعلیم کے اندر معقولات کا مذاق عموماً بڑھنے لگا[3] اور جو رجحان سکندر لودی کے عہد میں شروع ہوا تھا، وہ اکبر کے زمانہ میں اپنے عروج کو پہونچ گیا۔

(باقی حاشیہ صفحہ گذشتہ) خورد تر آنرا معلم کردو تعلیم لفظ دخط و دائرہ ابجد بلکہ ابجد ہم می داد" (منتخب التواریخ مطبوعہ نولکشور صفحہ ۲۴۳)

[1] از مصنفات او تکملہ حاشیہ علامہ دوانی بر تہذیب المنطق و حاشیہ بر حاشیہ مذکور متداول است" (مآثر الکرام صفحہ ۲۲۸ - تذکرہ امیر فتح اللہ شیرازی)

[2] از دیرباز سریر آرائے اقبال بران بود کہ در آباد بوم ہندوستان تازہ سال و برد سے کار آید و دشواری بآسانی گزاید۔ و نیز از تاریخ ہجری کہ از ناکامی آگہی بخشد، سرگرانی داشتند۔ در نہصد و نود و دمے ہلالے از فروغ خرد والا چراغ آگہی افروزش دیگر یافت۔ یادگار پیشین حکما گزیدہ دودمان دانش امیر فتح اللہ شیرازی در انجام ایں کار ہمت بست و برزیج جدید گورگانی اساس برنہاد و اورنگ نشینی افسر خدیو را سر آغاز گرفت" (آئین اکبری جلد دوم صفحہ ۲۷۷)

[3] "تصانیف علمائے متاخرین ولایت مثل محقق دوانی و میر صدر الدین و میر غیاث الدین منصور و مرزا جان میر بہندوستان آورد۔ و در حلقہ درس انداخت۔ و جم غفیر از حاشیہ محفل میر استفادہ کردند و از اں عہد معقولات را رواجے دیگر پیدا شد" (مآثر الکرام صفحہ ۲۲۸)